اسلام میں حریت فکر کی حدود

محمد حماد لکھوی*

محدود دنیا میں ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ اسی طرح آزادی کی بھی حد ہے۔ آزادی اپنی حد کے اندر نعمت ہی نعمت ہے مگر اپنی حد سے باہر وہ فساد ہی فساد ہے۔ فکری آزادی کی حد یہ ہے کہ وہ معلوم اور ثابت شدہ حقیقتوں کے دائرہ میں ہو۔ مفروضات اور قیاسات کی بنا پر نہ کوئی رائے قائم کی جائے اور نہ اس قسم کی بے اصل باتوں کو لے کر کوئی نظریاتی عمارت کھڑی کی جائے۔ قرآن میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ :

ولا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسؤلا (۱)

اور تم ایسی کسی چیز کے پیچھے نہ پڑ جاؤ جس کی تمہیں کماحقہ تحقیق نہ ہو' بے شک کان' آنکھ اور دل سب کے اعمال و افعال کی باز پرس ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو غیر ذمہ دارانہ کلام سے بچنا چاہیے۔ اس کو وہی بات بولنا چاہیے جس کے بارے میں سننے' دیکھنے اور سمجھنے کی طاقتوں کو بھرپور طور پر استعمال کرکے وہ اس کی تحقیق کرچکا ہو۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ اس بات کا مجرم قرار دیا جائے گا کہ خدا کی دی ہوئی ضروری صلاحیتوں کو استعمال کیے بغیر بالکل بے بنیاد طور پر اس نے اظہار خیال کرنا شروع کردیا۔ آدمی اگر کسی شخص کے خلاف یا کسی مسئلہ کے بارے میں کلام کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی پوری تحقیق کرے وہ اظہار خیال سے پہلے اس کی پوری جانچ کرے اور پھر وہ صرف اس وقت بولے جبکہ اس کے پاس بولنے کے لیے کوئی محکم بات ہو بصورت دیگر اس پر فرض ہے کہ وہ خاموشی کا راستہ اختیار کرے۔ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا :

---

* لیکچرر ادارہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا اولیصمت(۲)

جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ ہمیشہ درست اور بھلائی کی بات کرے وگرنہ خاموش رہے

بولنا اس آدمی کے لیے جائز ہے جو بولنے سے قبل اس کی تیاری کرے۔ اپنے آپ کو بولنے کا اہل بنائے' سنی سنائی باتوں پر رائے قائم کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ قرآن میں بغیر تحقیق بات آگے پہنچانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی خبر کی پہلے تحقیق کرلی جانی چاہیے۔ فرمایا:۔

یا یھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا(۳)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق (غیر ذمہ دار شخص) تمہارے پاس کوئی سی بھی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو

بغیر تحقیق ہر سنی سنائی بات پر رائے دینے کو حدیث میں جھوٹ کہا گیا ہے۔ اسی طرح نیت سے تعلق رکھنے والی باتوں کو زیر بحث لانا سخت گناہ ہے۔ کیونکہ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ آزادانہ اظہار رائے جس طرح ایک حق ہے اسی طرح وہ ایک ذمہ داری بھی ہے۔ وہ یہ کہ کامل تصدیق اور واقفیت کے بغیر آدمی کبھی اظہار رائے نہ کرے۔

دین مبین نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے بنیادی اصول مہیا کیے ہیں اور بلامبالغہ' کوئی بھی شعبہ زندگی ایسا نہیں جو اس قانون سازی سے محروم رہا ہو۔ اسی طرح اسلام نے افکار انسانیت کی راہیں بھی متعین کی ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر عقل انسانی حقیقی فلاح کی منزل کو پاسکتی ہے۔ سید مودودی نے اس سلسلے میں قرآن حکیم کی روشنی میں اسلامی موقف کی وضاحت یوں کی ہے کہ "اسلام کے معانی انقیاد' اطاعت اور تسلیم کے ہیں۔ مسلم وہ ہے جو حکم دینے والے کے امر اور منع کرنے والے کی نہی کو بلا اعتراض تسلیم کرے۔ خدا اور رسولؐ کے حکم کو مانے اور اس کے آگے سر جھکادے۔ اس کا کام یہ نہیں کہ ہر معاملے میں صرف اپنی عقل کی پیروی کرے نہ یہ ہے کہ احکام الٰہی میں جو کچھ اس کے اغراض کے مطابق ہو اس کو مانے اور جو اغراض کے خلاف ہو اس کو رد کردے۔ نہ یہ کہ کتاب اللہ' سنت رسولؐ کو چھوڑ کر انسانوں کی اندھی تقلید کرے خواہ وہ انسان مردہ ہوں یا زندہ۔(۴)

قرآن پاک کے مطابق جب کسی معاملے میں خدا اور رسولؐ کا حکم آجائے تو مومنوں کے لئے آزادی رائے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من

امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقدضل ضلا لا مبینا (۵)

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کا رسولؐ فیصلہ کردے تو ان کے لیے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کامل اور مکمل نازل فرمایا ہے۔ اس کے تم احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے ان احکامات میں سے کسی ایک کو بھی رد کردینا' دنیا و آخرت میں رسوائی کا سبب اور عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ قرآن فرماتا ہے :۔

افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا و یوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب و ما اللہ بغافل عما تعملون (۶)

کیا تم کتاب (قرآن) کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کی سزا بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کی رسوائی ہو اور آخرت میں ایسے لوگ شدید عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے)

افکار انسانی اور عقل اپنی تمام تر آزادی کے باوجود فیصلہ کرنے میں کتاب الٰہی کی پابند ہیں تاکہ فکر کی پرواز فقط فلاح کی راہوں پر ہی ہو۔ لہٰذا فیصلہ صرف کتاب الٰہی کے مطابق ہونا چاہیے خواہ وہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق (۷)

تو ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتاری ہے اور جو حق تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر) اور اگر کوئی شخص کتاب اللہ کی بجائے کسی اور بنیاد کو اپنے فیصلہ میں اہمیت دے اور کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو اس کو قرآن فاسق' کافر اور ظالم قرار دیتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون . . . ھم الظالمون . . ھم الفسقون (۸)

جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے . . . وہ کافر ہیں . . . وہ

ظالم ہیں... وہ فاسق ہیں اور اللہ کے فیصلے سے بہتر فیصلہ کون سا ہو سکتا ہے
ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون (۹)
اور اہل یقین کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خوب تر حکم کس کا ہو سکتا ہے؟

افضل الرحمان اپنی کتاب "مخمصہ آزادی" میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ـــــ "گرچہ اللہ علیم و خبیر ہے۔ ہر واقعے کا علم رکھتا ہے اور کوئی اس کی تیز بصارت اور جامع علم سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے باوجود وہ اپنے بندوں کے بارے میں فیصلے انصاف کے تمام تر تقاضے پورے کیے بغیر نہیں کرے گا۔ یعنی تمام معاملات میں ان کو رہنمائی فراہم کرے گا اور مکمل انصاف کے لیے جن شرائط کی ضرورت ہے انہیں بھی ضرور پورا کرے گا۔ تمام عناصر جو ان حدود و قیود کے اندر اپنے دائرہ محل کو محدود رکھیں گے۔ اللہ کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے اور جو حدود کو پھلانگیں گے، سزا پائیں گے۔" (۱۰)

سید مودودی نے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور آزادی انسان کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ "اسلام کی تعلیم میں یہ قاعدہ اصل اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ پہلے احکام نہیں دیتا بلکہ سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ جتنی حجتیں ہیں سب اسی ایک چیز پر تمام کردی گئی ہیں۔ ہر عقلی دلیل اور فطری شہادت سے انسان کو اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خدا کے واحد ہی اس کا الہ ہے اور محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ آپ جس قدر عقلی جانچ پڑتال چاہتے ہوں اسی بنیادی مسئلہ پر کرلیجئے۔ اگر کسی دلیل اور کسی حجت سے آپ کا دل اس پر مطمئن نہ ہو تو (آپ کی حریت فکر کو مدنظر رکھتے ہوئے) آپ کو داخل اسلام ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن جب آپ نے اس کو قبول کرلیا تو آپ کی حیثیت ایک مسلم کی ہوگی اور مسلم کے معنی ہیں "مطیع" کے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ اسلام کے ہر ہر حکم پر آپ کے سامنے دلیل و حجت پیش کی جائے... اگر ایک ایک چیز کے لیے عقلی حجتیں پیش کرنا ضروری ہوتا اور ہر امر و نہی کی حکمتیں اور مصلحتیں سمجھانے پر اطاعت احکام موقوف ہوتی تو قیامت تک انسانی اخلاق کی اصلاح اور اعمال کی تنظیم نہ ہو سکتی جو رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں انجام دے دی۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اسلام کے احکام خلاف عقل ہیں یا اس کا کوئی جزئی حکم بھی حکمت و مصلحت سے خالی ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اسلام اپنے پیروؤں سے اندھی تقلید چاہتا ہے اور احکام کی عقلی و فکری بنیادوں کو تلاش کرنے اور ان کے مصالح اور حکم سمجھنے سے روکتا ہے۔ حقیقت اسکے برعکس ہے۔ اسلام کی صحیح پیروی کے لیے تفقہ اور تدبر ضروری ہے۔ جو شخص احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو جتنا زیادہ سمجھے گا

وہ اتنا ہی زیادہ صحیح اتباع کرسکے گا۔ ایسے فہم اور ایسی بصیرت سے اسلام نہیں روکتا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن زمین و آسمان کا فرق ہے اس عقلی تجسس میں جو اطاعت کے بعد ہو اور اس عقلی امتحان میں جو اطاعت سے پہلے اور اطاعت کے لیے شرط ہو"(۱۱)

وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ "فکر و عمل کی آزادی بلاشبہ ایک حد تک صحیح ہے مگر جب وہ اپنی حد سے تجاوز کرجاتی ہے تو گمراہی بن جاتی ہے ..... اس قسم کی حریت فکر و عمل' تمدن و تہذیب کے لیے بھی مہلک ہے .... تمدن ان سے اتباع' پیروی و تسلیم و اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جہاں کامل حریت ہوگی' وہاں تمدن نہ ہوگا۔ اور جہاں تمدن ہوگا وہاں افراد کو بڑی حد تک حریت فکر و عمل سے دست کش ہونا پڑے گا۔"(۱۲)

اسلام کے نزدیک نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس' خواہش اور سلسلہ افکار کو اس چیز کے تابع کردے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ابن آدم کے سامنے رکھی۔ کیونکہ حقیقی فلاح تک رسائی عقل انسانی کے بس کی بات نہیں۔ اقبال نے عقل کی نارسائی کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہگزر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے(۱۳)

جناب صلاح الدین قرآن مجید کی روشنی میں اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں کہ "قرآن نے انسان کے اختیار قانون سازی پر عائد کی جانے والی حدود کے لیے "حدود اللہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یعنی اللہ کی قائم کردہ حدود۔ یہ حدود فرد اور ریاست پر یکساں عائد ہوتی ہیں۔ اللہ نے جس چیز کو حلال ٹھہرا کر انسان کو اس کا حق استفادہ عطا کردیا ہے اسے اب نہ کوئی فرد حرام ٹھہراسکتا ہے اور نہ اسلامی ریاست یا پوری قوم مل کر اسے حرام ٹھہراسکتی ہے۔ حتیٰ کہ کوئی فرد خود اپنی ذات کے لیے بھی اسے حرام قرار دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ ان حدود کی پابندی کے سلسلے میں قرآن پاک کا حکم ہے کہ تلک حدود اللہ فلا تقربوھا (البقرہ ۲: ۱۸۷)

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں' ان کے قریب نہ پھٹکنا۔

قرآن نے واضح ترین الفاظ میں کہا ہے کہ انسان کو ان امور میں' جن میں خدا کا قانون موجود ہے' قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں۔ نہ اسے حلال و حرام اور جائز و ناجائز ٹھہرانے کا کوئی حق ہے۔ اس کا کام بس خدا اور رسول کے احکام کی بجا آوری ہے۔ قران نے کہا " اتبعوا ما

انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (الاعراف ۷:۳) (جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی پیروی نہ کرو) .... اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں ہی کے اختیار قانون سازی پر پابندیاں عائد نہیں کیں بلکہ اپنے نبی کو بھی یہ اختیار نہیں دیا کہ جس معاملے میں خدا کا حکم موجود ہو وہ اپنی مرضی سے اس میں رد و بدل کرسکے۔ (۱۴)

گویا وحی کے معاملے میں حریت فکر اور آزادی اظہار رائے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جب اللہ کا حکم بذریعہ وحی آ جائے۔ تو کسی شخص حتیٰ کہ نبی اکرمؐ کو بھی اس معاملے میں فکر و عمل کی آزادی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قران میں ارشاد فرمایا:

قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقائی نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (۱۵)

اے محمدؐ! کہہ دو کہ میں اس کتاب کو اپنی طرف سے بدلنے کا حق نہیں رکھتا۔ میں تو صرف اپنی طرف نازل کردہ وحی کا اتباع کرتا ہوں۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے

تاریخ اسلامی کے اولین دور میں حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کی باہمی ناچاقی اور علیحدگی کا جو واقعہ پیش آیا وہ حضور اکرمؐ پر بہتان و افتراء کا سبب تو بنا لیکن اس میں جہاں اور بہت سے معاشرتی اور قانونی مسائل کا حل مل گیا۔ وہاں نبی کریمؐ کی ذات نبوی اور ذات شخصی کے حوالے سے حدود رائے کا تعین بھی ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک شبہے کا امکان تو پیدا ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا تھا کہ "امسک علیک زوجک واتق للہ (۱۶)

یعنی اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو

--- مگر حضرت زیدؓ نے بظاہر اس حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت زیدؓ کا یہ عمل بظاہر حکم نبیؐ کے خلاف ہی تھا۔ لیکن حکم نبویؐ کی اس خلاف ورزی پر نہ تو رسولؐ اللہ نے کسی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت کی گئی۔ بلکہ قرآن میں حضرت زیدؓ کا ذکر اسی واقعہ کے حوالے سے ایسے الفاظ میں کیا گیا جن سے ناپسندیدگی کی بجائے پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ قرآن نے کہا للذی انعم اللہ علیہ (۱۷) (یعنی جس شخص پر اللہ نے انعام کیا)--- اس سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ نبیؐ کے حکم کی خلاف ورزی بھی کی جاسکتی ہے۔ اور نبی کریمؐ کا قول اگر ثابت ہوجائے تو وہ نبیؐ ہی کا قول ہے تب بھی

اسے اللہ کے حکم کی طرح واجب الاطاعت نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ ان الحکم الا للہ [18] (سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا حکم نہیں چل سکتا) ۔ اور اللہ کے حکم کے بارے میں یوں بھی قرآن نے کہا ان اللہ یحکم ما یرید [19] (اللہ جو چاہے حکم دے)

اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوئے کہ اصل حکم تو اللہ ہی کا ہے' کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے اور نہ ہی واقعہ مذکورہ بالا جاننے کے بعد کسی شک و شبے کا شکار ہونا چاہیے۔ یہ بات درست ہے کہ اطاعت صرف اللہ کے حکم کی ہی فرض ہے۔ لیکن اس اطاعت کی طرف ہدایت نبی کریمؐ کی اطاعت پر منحصر ہے۔ اگر نبی کریمؐ کی اطاعت کی جائے گی تو اصل اطاعت یعنی اللہ کی اطاعت کی طرف راہنمائی نصیب ہوگی۔ قرآن کہتا ہے :

وان تطیعوہ تھتدوا [20]

اگر تم اس (نبیؐ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے

اس لیے نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہی دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ [21] (اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی) لیکن اس اطاعت کا مرکز و محور نبی کی انسانی' شخصی یا بشری حیثیت نہیں ہے۔ کسی نبی کو اللہ نے اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ لوگوں کو خدا کی بجائے اپنا غلام اور بندہ بنائے۔ بلکہ انبیاء کو محض اس لیے مبعوث کیا گیا کہ وہ لوگوں کو خدا کا بندہ بنائیں۔ ارشاد ہوتا ہے

ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین [22]

کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اس کو کتاب' حکم اور نبوت بخشے تو وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کی بجائے میرے بندے بن جاؤ' بلکہ وہ کہے گا تم خدا کے بندے ہو۔

نبیؐ اس لیے نہیں آیا کہ وہ لوگوں کو اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی پر مجبور کرے بلکہ نبی کریمؐ تو اس دنیا میں تشریف ہی اس لیے لائے ہیں کہ انسان کی گردن میں جتنے طوق انسان نے ڈالے ہیں۔ ان سب کو کاٹ ڈالیں۔

ویضع عنھم اصرھم والا غلل التی کانت علیھم [23]

اور یہ نبیؐ ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور ان بندھنوں کو توڑتا ہے جن میں وہ بندھے ہوئے تھے

خلاصہ بحث یہ ہے کہ نبیؐ کی اطاعت جو مومن پر فرض اور اصل ایمان ہے اور جس سے

کسی مومن کو سرمو انحراف کا حق نہیں ہے' وہ دراصل نبی کی اطاعت بحیثیت انسان نہیں بلکہ بحیثیت رسول اللہ اطاعت ہے۔ یعنی اس علم' اس ہدایت' اس حکم' اس قانون اور اس پیغام کی اطاعت جسے اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام جس بندش اطاعت میں انسان کو باندھتا ہے اور اس دوران جو انسان پر پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ کسی انسان کی اطاعت نہیں بلکہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت ہے۔ نبی تو صرف پیغام لانے اور اس کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے آتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ (۲۴)

اے نبیؐ! ہم نے تیری طرف سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس حق کے ساتھ فیصلہ کردے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے

اور اس طرح نبیؐ کی اطاعت اور اتباع دراصل انسان اور اس کے خالق اور مالک کے درمیان مضبوط تعلق اور قرب کا ذریعہ ہے :۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۲۵)

اے نبیؐ! کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو پھر میری اتباع کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنی شروع کردیگا۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ نبیؐ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ اور بحیثیت انسان نبیؐ بھی تمام بنی نوع انسان کی طرح اس ذات الٰہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کا پابند ہے۔

ان اتبع الا ما یوحی الی (۲۶) (مجھے تو صرف اس حکم کی اتباع کرنی ہے جو میری طرف وحی کیا گیا ہے)

ان تمام آیات میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اسلام کا مقصد ہی انسانوں کو انسانوں کی بندگی اور غلامی سے نجات دلا کر اللہ تعالیٰ کا غلام بنانا ہے۔ اسلام میں کسی بھی انسان کی اطاعت بحیثیت انسان نہیں ہوسکتی اسلام نے ایک عام اصول دے دیا کہ کسی بھی ہستی کی ایسی اطاعت جس میں خالق و مالک کی نافرمانی کا شائبہ بھی ہو' گناہ ہے۔ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ (۲۷)

یعنی اگر نبیؐ کی اطاعت ہے تو صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کو حکم عطا کیا گیا ہے۔ حکام کی اطاعت ہے تو صرف اس بنا پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو نافذ کرنے والے ہیں۔ علماء کی اطاعت ہے تو صرف اس بنا پر کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے فرامین کے مطابق مقرر کردہ حدود سے آگاہی حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ والدین کی اطاعت ہے تو وہ بھی

صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حق دیا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب ان کا حکم اللہ اور اس کے رسولؐ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شخص اللہ کا حکم پیش کرے تو ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اس کے آگے سر جھکادے۔ اور اسے اس معاملے میں چوں و چرا کرنے کا ہرگز کوئی حق نہیں۔ اس کو اپنے خالق کے معاملے میں حریت فکر اور آزادی رائے حاصل نہیں۔ جن ہستیوں کی اطاعت اللہ کی طرف سے فرض قرار دی گئی ہے ان میں سے اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی بجائے اپنا خیال پیش کرے اور اپنی رائے کے مطابق کچھ حکم دے تو اس کی اطاعت فرض نہیں۔ ایسی صورت میں ہر شخص کو خود سوچنے' رائے قائم کرنے اور اس کا اظہار کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ مکمل آزادی کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس معاملہ میں عام انسان' علماء اور حکام تو درکنار' خود نبیؐ کی ذاتی رائے سے بھی اختلاف کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے معاملے میں بھی آزادی رائے کا حق استعمال کیا گیا۔ کیونکہ نبی کریمؐ کی طرف سے حضرت زیدؓ کو جو طلاق نہ دینے کے لیے ارشاد فرمایا گیا وہ حکم الٰہی کی طور پر نہ تھا بلکہ وہ ایک عزیز' ہمدرد اور مربی ہونے کے ناطے مشورہ تھا۔ مگر جس اختلاف مزاج کی بنا پر زوجین میں باہم نفرت پیدا ہوگئی تھی اس کو حضرت زیدؓ خود زیادہ محسوس کرتے تھے یہ معاملہ ان کے دین و ایمان کا نہیں بلکہ ان کے دلی جذبات و احساسات کا تھا۔ اس لیے انہوں نے حضورؐ کے مشورے کو قبول نہ کیا اور آزادی رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے طلاق دے دی۔ یہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ تھی اور نہ ہی نبی اکرمؐ کی بحیثیت رسولؐ نافرمانی تھی۔ اس لیے نہ آپؐ ناراض ہوئے اور نہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ اگر آپؐ ناراضگی کا اظہار کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ انسان نے انسان کی غلامی سے اسلام میں آجانے کے باوجود نجات حاصل نہیں کی۔ مگر آپؐ اللہ کے رسولؐ تھے۔ جن کی بعثت کا مقصد ہی بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف لانا تھا تاکہ انسان کو انسان کے مقابلے میں آزادی کا کھویا ہوا حق واپس دلوائیں۔ اس لیے آپؐ نے حکم نہیں بلکہ مشورہ دیا اور اس مشورے کے خلاف عمل کرنے پر قطعاً" کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے انسان بحیثیت انسان دنیا میں کسی کا غلام نہیں اور دوسرے انسانوں کی طرف سے اس پر کوئی پابندی یا قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ وہ اپنے عمل' قول' فکر اور سوچ میں آزاد ہے۔ لیکن اللہ کے دیئے ہوئے احکامات اور اللہ کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں سے فرار ممکن نہیں۔ یعنی انسان اپنی حیثیت میں مکمل آزاد ہونے کے باوجود خالق و مالک کے احکامات کا پابند ہے۔ خالق کی طرف سے مقرر کردہ حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے یہ اپنی آزادی اور حریت

سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل و روح کی آزادی سلب کرلی ہے حالانکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے انسان کو عقل و فکر اور جسم و جان کی آزادی عطا فرمائی ہے ---- اس سلسلے میں پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا پابند نہیں بنایا گیا۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ان حدود (دین اسلام) سے دور رکھتے ہوئے (غیر مذہب میں یا لامذہب میں) آزاد رہنا چاہے تو اسلام ایسے شخص پر کوئی جبری قانون لاگو نہیں کرتا۔ ایسا شخص اللہ کے حقوق اور اس کی عائد کردہ پابندیوں سے بے نیاز ہوکر بھرپور "آزادی" سے لطف اندوز تو ہوسکتا ہے لیکن اس مادر پدر آزادی کے نتائج و عواقب کا پھر یہ خود ذمہ دار ہوگا ---- اور اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کی حدود (یعنی دین اسلام) کے اندر داخل کردے تو پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قوانین اور مقرر کردہ حدود و قیود انسان کی فطری آزادی سلب کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس آزادی کی حفاظت کے لیے ہیں تاکہ انسان بے راہروی کا شکار ہوکر اپنے اصل مقصد اور راستے سے کہیں دور نہ نکل جائے۔ اصل میں انسان اپنی فطری کمزوری کے باعث اپنے معاملات زندگی میں حقیقت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرپاتا۔ زندگی کے اہم فیصلے کرتے وقت اس کی عقل عموماً کسی ایک پہلو کا ادراک کرپاتی ہے۔ جذبات اور خواہشات کا غلبہ اس کی نظر میں وسعت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اگر بالفرض کامیابی اور ناکامی کی تمام راہیں کھول کر اس کے سامنے رکھ دی جائیں تو بھی انسانی عقل و فہم فطری طور پر اس قابل نہیں کہ وہ کامیابی اور ناکامی کی راہوں کا بالکل صحیح تعین کرسکے۔ انسان کی حقیقی فلاح کے راستے کو خالق حقیقی ہی جانتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے فائدہ اور نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی حدود مقرر کردیتا ہے جو انسانیت کے لیے مفید راستے کی طرف راہنمائی بھی کرتی ہیں اور حریت فکر و عمل کی حفاظت بھی۔ ان حدود کی حیثیت سڑک کے کنارے ایسی رکاوٹوں کی سی ہے جو سڑک کے گرد لگانے کا مطلب اور مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ مسافر غلطی سے گہری کھائی کی طرف نہ چلا جائے بلکہ بخیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ اللہ کے قانون میں انسانوں پر لگائی گئی حدود انسان کے لیے زندگی کے سفر کا صحیح رخ متعین کرتی ہیں اور زندگی کے ہر پر پیچ مقام، ہر موڑ اور ہر دوراہے پر اسے بتاتی ہیں کہ سلامتی کا راستہ اس طرف ہے۔ انسانی آزادی کے تحفظ کے لیے ان حدود کے تعین کے بعد اگر کوئی شخص ان پابندیوں کو توڑ کر اپنی مرضی کے راستے پر چلنا چاہے تو اسلام اس کے (دنیوی و اخروی) نتائج و عواقب کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہوئے اس بات کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن میں ہے:

انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا (۲۸)

گو یہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے چند حدود و قیود مقرر کرکے انسانیت پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے یہی وہ ضابطہ ہے جس کے تحت ایک انسان انسانیت کی معراج تک پہنچ سکتا ہے۔ خالصتاً" انسان کی فلاح دارین کے لیے متعین کیے گئے ان الٰہی اصولوں کا نام "حدود اللہ" ہے۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا لازمی نتیجہ تباہی و بربادی اور دونوں جہاں کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا: تلک حدود اللہ فلا تقربوھا (۲۹)

سید مودودیؒ تحریر کرتے ہیں کہ -- "اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ قیود عائد کی ہیں جن کو اسلام کی اصطلاح میں "حدود اللہ" (Divine Limits) کہا جاتا ہے۔ یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں چند اصول' چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں۔ جو اس شعبہ کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لیے لگائی گئی ہیں۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ یہ تمہاری آزادی کی آخری حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لیے ضمنی اور فروعی ضوابط (Regulaions) بناسکتے ہو۔ مگر ان حدود سے تجاوز کرنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔ ان سے تجاوز کرو گے تو تمہاری اپنی زندگی کا نظام فاسد و مختل ہوجائے گا۔"(۳۰)

فکر و عمل کی یہ حدود ہی اصل میں حقیقی آزادی کا محفوظ نقشہ انسان کے لیے پیش کرتی ہیں کیونکہ حقیقی آزادی وہ ہی ہوتی ہے جس میں فکر و عمل کی آزادی کے ساتھ ساتھ تحفظ کا احساس بھی نمایاں ہو۔ ایسا تصور آزادی بالکل بے کار اور ناقص ہے جو فکر و عمل کی مکمل آزادی تو فراہم کرے لیکن اس آزادی میں حفاظت کا ذمہ اپنے سر نہ لے۔ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رقم طراز ہیں :-

"انسان اپنی فکر کو یوں ہی نہ چھوڑے کہ جس وادی اور جس میدان میں چاہے آوارہ گردی کرے کیونکہ فکر انسانی اگر برائیوں اور بدیوں کے گرد و پیش چکر لگاتی رہے گی تو وہ ایک دن ان میں ضرور گرفتار ہوجائے گی۔"(۳۱) ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "ضبط نفس سے صحت کی حفاظت اور عقل کو طمانیت نصیب ہوتی ہے اور نتیجہ میں انسان سعادت و آزادی سے شاد کام ہوجاتا ہے۔"(۳۲)

الغرض اسلام کی عطا کردہ آزادی فکر و عمل بے لگام اور مادر پدر آزادی نہیں بلکہ مقید اور مشروط آزادی ہے جن سے بعض شرائط اور حدود و قیود کے دائرے کے اندر رہ کر ہی بہرہ مند ہوا جاسکتا ہے۔ اس آزادی کو جن شرائط سے مشروط کیا گیا ہے ان میں پہلی شرط وہی عام شرط ہے جو اسلامی معاشرے میں ہر حق کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور یہ ہے نیت کی پاکیزگی اور خلوص کی شرط۔ کیونکہ اس حق کے استعمال کی غرض و غایت خداوند کریم کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے اور اس

کا مدعا اور منشا پورے معاشرہ کو فائدہ پہنچانا ہے۔ دوسری شرط' جو دراصل پہلی شرط کے نتیجے میں سامنے آتی ہے' یہ ہے کہ آزادی رائے کا مطلب اپنی ذات کی نمائش اور تکبر کا اظہار نہیں اور نہ ہی دوسروں کے عیوب گننے اور ان کی تشہیر کا نام ہے اور نہ ہی مال و زر اور عہدے کا حصول مطمع نظر ہونا چاہیے۔ تیسری شرط جس کے ساتھ آزادی رائے کا حق مشروط ہے اسلامی اصولوں اور عقائد کا احترام ہے۔ اسلام کسی شخص کو آزادی رائے کی آڑ میں اسلام' اللہ کے رسول' یا اسلامی نظریے کے بارے میں زبان درازی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی مسلمان اس کا مرتکب ہو تو وہ مرتد ہے اور شریعت کی نظر میں سزا کا مستحق ہے چنانچہ وہ آزادی رائے کی دلیل پیش کرکے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ فرد اسلامی اخلاقیات کی حدود کے اندر رہ کر بات کرے۔ چنانچہ اسلام کسی انسان کو دوسروں کی آبرو سے کھیلنے یا انہیں دشنام طرازی کا تختہ مشق بنانے کی اجازت دینے کا روادار نہیں۔ آزادی رائے کے نام پر وہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب رائے کی آزادی معاشرے کو نقصان پہنچانے یا فساد پھیلانے کا موجب بن جائے تو وہاں پر اس کی سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں۔[۳۳]

جن شرائط کا اوپر ذکر ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے کیا ہے ان شرائط سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام نے پابندی لگائی ہے کہ دائرہ اسلام کے اندر رہ کر ہی آزادی فکر و عمل کا حق استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسلام والی شرط تو ہر اس آدمی کے لیے ہے جو اسلام قبول کرکے اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے۔ وگرنہ اسلام قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار اور آزادی مذہب تو اسلام کا بنیادی خاصہ ہے۔ دارالاسلام یعنی اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے بھی انسان کسی اور مذہب کا پیروکار بن کر رہ سکتا ہے۔ اسلام اسے مذہب کی صرف مکمل آزادی ہی نہیں دیتا بلکہ اس کے اس حق آزادی کی حفاظت کی ضمانت بھی دیتا ہے دین کے معاملے میں اسلام کسی انسان پر کوئی پابندی اور قدغن نہیں لگاتا اور اسے کوئی خاص مذہب اختیار کرنے پر مجبور بھی نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا اکراہ فی الدین[۳۴] دین (اسلام) کے اندر کوئی جبر نہیں ہے

حوالہ جات

۱۔ القرآن، (بنی اسرائیل) ۱۷: ۳۶

۲۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دار الفکر بیروت، س ۔ ن، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار... الخ، ج ۱، ص ۴۹

۳۔ القرآن، (الحجرات) ۴۹: ۶

۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تنقیحات، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۶

۵۔ القرآن (الاحزاب) ۳۳: ۳۶

۶۔ القرآن (البقرہ) ۲: ۸۵

۷۔ القرآن (المائدہ) ۵: ۴۸

۸۔ ایضاً (المائدہ) ۵: ۴۴، ۴۵، ۴۷

۹۔ ایضاً (المائدہ) ۵: ۵۰

۱۰۔ افضل الرحمان، مخمصی آزادی (مترجم ایوب منیر)، فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۸۵

۱۱۔ تنقیحات، ص ۱۳۵۔۱۳۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲۵۔۲۲۶

۱۳۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، الفیصل ناشران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۳۰۳

۱۴۔ صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۳۲، ۱۳۳

۱۵۔ القرآن، (یونس) ۱۰: ۱۵

۱۶۔ القرآن، (الاحزاب) ۳۳: ۳۷

۱۷۔ محولہ بالا

۱۸۔ القرآن (الانعام) ۶: ۵۷

۱۹۔ القرآن (المائدہ) ۵: ۱

۲۰۔ القرآن (النور) ۲۴: ۵۴

۲۱۔ القرآن (النساء) ۴: ۸۰

۲۲۔ القرآن (آل عمران) ۳: ۷۹

۲۳۔ القرآن (الاعراف) ۷: ۱۵۷

۲۴۔ القرآن (النساء) ۴: ۱۰۵

۲۵۔ القرآن (آل عمران) ۳ : ۳۱
۲۶۔ القرآن (الانعام) ۶ : ۵۰
۲۷۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۱ء، ج ۶، ص ۵۹
۲۸۔ القرآن (الدھر) ۷۶ : ۳
۲۹۔ القرآن (البقرہ) ۲ : ۱۸۷
۳۰۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۲
۳۱۔ حفظ الرحمان سیوہاروی، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، دھلی ۱۹۵۰ء، ص ۴۲۰
۳۲۔ ایضاً، ص ۴۲۱
۳۳۔ عبدالکریم زیدان، اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام، اسلامک بک پبلشرز، لاہور، ص ۱۱۷
۳۴۔ القرآن (البقرہ) ۲ : ۲۵۶